# مقدمہ تفسیر کتاب التسہیل لعلوم التنزیل کا منہج واسلوب

اسماء شاہد*

محمد فاروق حیدر**

قرآن رشد و ہدایت کی وہ کتاب ہے جو ہر دور میں پیش آمدہ مسائل کے حل میں اپنے اندر اصولی رہنمائی رکھتی ہے۔اس لیے اسے کما حقہ سمجھنے اور اس سے ہر زمانے کے مسائل اور مشکل کا حل تلاش کرنے کے لیے انسانی علوم وفنون کی روشنی میں مسلسل غور وفکر اور تدبر و تفکر کی ضرورت رہتی ہے۔یہی ضرورت تفسیر نویسی کا اہم محرک ہے۔ اسی بناء پر ابتدائے زمانہ اسلام سے لے کر اب تک ہر دور میں تفسیر نویسی کا سلسلہ بلا انقطاع جاری ہے۔علامہ ابن جزی کی تفسیر ''کتاب التسھیل لعلوم التنزیل '' بھی اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

محمد بن احمد بن محمد ابن جزی الکلبی ۱۵ جمادی الاولی ۶۹۳ھ میں اندلس کے شہر غرناطہ میں پیدا ہوئے۔اور آپ ابوالقاسم کی کنیت سے جانے گئے۔(۱) آپ ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جو علمی دنیا میں معروف تھا جس کی شرافت، بزرگی اور بلند کرداری کا چرچا عام تھا۔(۲) آپ کے اساتذہ میں ابو جعفر ابن زبیر ابو عبداللہ ابن رشید، علامہ قاسم بن عبداللہ ،ابو عبداللہ الطنجالی جیسے باعمل علماء شامل تھے۔(۳) جن سے آپ نے تفسیر ،حدیث،فقہ،اصولِ فقہ،ادب اور لغت کی تعلیم حاصل کی۔آپ کی تالیفات میں ''التسھیل لعلوم التنزیل،الانوار السنیة فی الالفاظ السنیة ،الدعوات و الاذکار المخرجه من صحیح الاخبار اور قوانین الاحکام الشرعیة و مسائل الفروع الفقهیه وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔(۴)

پاکیزہ سیرت و کردار کے مالک ،علوم وفنون کے ماہر یہ مفسر تا حیات تاریکی کے خلاف علمی جنگ میں مصروف رہے اور انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لحات بھی تلواروں کے سائے میں گزارے اور ۷۴۱ھ میں معرکہ طریف میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔(۵)

آپ کی یہ تفسیر التسھیل جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے عام فہم،مختصر مگر علوم وفنون کی جامع تفسیر ہے۔تفسیر کن خصوصیات کی حامل ہے اور اس کے مقاصد وفوائد کیا ہیں،مفسر نے مقدمہ میں اس امر کی وضاحت یوں

* لیکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین، عارف والا، پاکپتن، پاکستان۔

** ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

کی ہے:

پہلا فائدہ یہ کہ میں نے اس چھوٹے حجم والی کتاب میں علم کے بہت سے نکات کو شامل کیا ہے تاکہ یہ اپنے طلبہ اور شائقین کے لیے سہولت اور آسانی کا باعث بنے۔ یہ کتاب طویل علمی دواوین کا احاطہ کرتی ہے جو میں نے اس میں شامل کیے ہیں اور اس کتاب کی تلخیص، تمحیص اور تنقیح کی گئی ہے اور اس میں سے زوائد کو حذف کر دیا گیا ہے.... اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں بہت سے عجیب وغریب نکات کو شامل کر دیا گیا ہے جو کہ کسی اور کتاب میں نہیں ہیں کیونکہ یہ میرے ذاتی اجتہادات اور قلبی انکشافات ہیں اور وہ سب کچھ جو میں نے اپنے اساتذہ سے حاصل کیا ہے.... تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں حسنِ عبارت اور مقفلات کی عقدہ کشائی کے ذریعے مشکل مقامات کی توضیح کی گئی ہے علاوہ ازیں اس میں احتمالات کو رفع کیا گیا ہے اور مجمل مقامات کی تبیین بھی شامل کتاب ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اس میں مفسرین کے اقوال کی تحقیق کی گئی ہے تاکہ صحیح و سقیم، راجح و مرجوح میں فرق واضح ہو۔(٦)

مفسر ابن جزی نے ان چار اہم نکات کو سامنے رکھ کر تفسیر تحریر کی ہے۔

**مقدمہ تفسیر کے مباحث میں ابن جزی کا منہج**

علامہ ابن جزی نے مقدمہ کے آغاز میں ایک ابتدائیہ تحریر کیا ہے۔ جس میں آپ اللہ عزوجل کی حمد وثناء بیان کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ علامہ نے علوم قرآن کو تمام علوم سے اعلیٰ وارفع قرار دیا اور اس میں اپنی مشغولیت کو اللہ کی نعمت قرار دیا:

فاِنّ علم القرآن العظیم: هو أرفع العلوم قدرا۔ وأحلها خطرا، وأعظمها أجراً وأشرفها ذکرا وأن الله أنعم علّی بأن شغلنی بخدمة القرآن، وتعلمه وتعلیمه۔وشغفنی بتفهم معانیه وتحصیل علومه۔(٧)

بلاشبہ قرآن کریم کا علم تمام علوم میں قدر ومنزلت کی رو سے بڑھ کر علم ہے، تمام علوم میں مہتم بالشان ہے، ان سب میں سے اجر میں بڑھ کر ہے اور ذکر وتذکرہ کے اعتبار سے ان سب میں عالی شان ہے، حق جل شانہ نے مجھ پر خاص کرم فرمایا کہ مجھے قرآن کریم کی خدمت، اس کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول کیا اور مجھے اس کے معانی کے سمجھنے اور اس کے علوم حاصل کرنے کا شغف بخشا۔

بعد ازاں آپ مختلف خصائص کی حامل تفاسیر کے اسالیب کا ذکر کرتے ہیں کہ بعض تفاسیر میں اختصار ہے

بعض میں طوالت، بعض علوم وفنون کی جامع ہیں، اور ایسی تفاسیر بھی ہیں جن میں اقوال نقل کیے گئے ہیں ان میں سے بعض نے اقوال پر تحقیق ونظر کی ہے اور بعض اپنے مسلک پر چلے ہیں ۔ ان امور کا ذکر کرنے کے بعد اپنی تفسیر ''کتاب التسہیل لعلوم التنزیل'' کا تعارف پیش کیا۔

تفسیر کے آغاز میں آپ نے دو مقدمات تحریر کئے۔

> وقدمت فی اولہ مقدمتین:احداھمافی ابواب نافعة،وقواعد کلیة جامعة ، والاخری فیھا کثر دورہ من اللغات الواقعة۔(۸)
>
> میں نے اپنی تفسیر کا آغاز میں دو مقدمات بیان کیے ہیں جن میں سے ایک مفید ابواب اور جامع قواعد وکلیہ پر مشتمل ہے جبکہ دوسرے مقدمہ میں ان لغات کا بیان ہے جو کثرت کے ساتھ قرآن مجید میں وارد ہوئی ہیں۔

علوم القرآن کے مصادر میں سے ایک اہم ماخذ ومصدر کتبِ تفاسیر کے وہ مقدمات ہیں جن میں تفسیر کے اصول ومبادیات کے ساتھ دیگر مختلف انواعِ علوم القرآن کو بھی زیر بحث لایا گیا۔اس ضمن میں سب سے پہلا جامع اور مفصل مقدمہ ابن جریر طبریؒ کا ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر جامع البیان کے آغاز میں تحریر فرمایا بعد ازاں ابن عطیہ اندلسی اور امام قرطبی نے بھی اپنی اپنی تفسیر کے آغاز میں جامع اور مفید مقدمات شامل کیے، اندلس کی معروف تفسیر التسہیل لعلوم التنزیل کا مقدمہ بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے علامہ ابن جزی نے اس مقدمہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پہلے حصہ میں علوم القرآن کے مباحث پر مشتمل بارہ ابواب شامل ہیں، یہاں انہیں بارہ ابواب کے منہج و اسلوب کو بیان کیا جائے گا۔

## ا۔نزولِ قرآن

اللہ رب العزت نے انسانیت کو ضلال و گمراہی سے بچانے کے لیے ابدی ہدایت کا واحد نسخہ اپنے رسول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا۔کلامِ الٰہی کا نزول اور ہمیشہ کے لیے اس کا محفوظ رہنا اعجاز قرآن کا ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن کا طریقہ نزول بھی اس کی عظمت و رفعت کا بیان ہے۔قرآن کریم کا نزول اللہ عزوجل کی حکمتِ بالغہ کے پیشِ نظر دو مرتبہ ہوا۔ پہلا نزولِ یکبارگی تھا اور یہ نزول آسمان دنیا پر رمضان کی بابرکت رات لیلۃ القدر میں ہوا۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (۹)

اس کے بعد قرآن کا تدریجی نزول ہوا اور حالات و واقعات کے مطابق تھوڑا تھوڑا کر کے تیئس سال کے

عرصے میں قرآن کا نزول مکمل ہوا۔اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

**وقُرْاناً فَرَقنهُ لِتقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تنزِيلاً (۱۰)**

ہم نے قرآن کو جدا جدا نازل کیا ہے تاکہ تم اسے لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھو اور ہم نے اسے تدریج کے ساتھ اتارا ہے۔

قرآن کا تدریجی نزول قلب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت، سوالات کے بروقت جواب، فہم اور تنفیذِ احکام میں آسانی کے لیے تھا۔

علامہ ابن جزی نزول قرآن کی بحث میں کئی اہم نکات کو اٹھاتے ہیں جن میں سے پہلا نکتہ قرآن مجید کی مدتِ نزول اور نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی عمر مبارک سے متعلق ہے اگرچہ اس بحث میں مختلف آراء اور اقوال ملتے ہیں لیکن علامہ ابنِ جزی نے انتہائی اختصار کے ساتھ اس بحث کو سمیٹا ہے اور اختلافی اقوال میں جمع وتطبیق کی راہ اختیار نہیں کی آپ لکھتے ہیں:

فكانت مدّة نزوله عليه عشرون سنة، وقيل كانت ثلاثا وعشرين سنة على حسب الاختلاف فى سنه صلى الله عليه وآله وسلم يوم توفى، هل كان ابن ستين سنة، أوثلاث و ستين سنة۔(۱۱)

قرآن کریم کی مدتِ نزول بیس سال ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیئس سال ہے اور یہ اختلاف اس بات کے ساتھ منسلک ہے کہ آپ نے ساٹھ سال میں وصال پایا یا تریسٹھ سال کی عمر میں۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات کے بارے میں آپ نے مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد پہلے قول کو ترجیح دی کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات پہلی وحی میں نازل ہوئیں۔اس بارے لکھتے ہیں:

قولِ اول صحیح ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے جو کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ غارِ حرا میں فرشتہ (جبرائیل امینؑ) نے آکر کہا کہ پڑھو!(رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں) میں نے کہا میں تو پڑھنے والا نہیں ہوں۔اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر دبایا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری قوت کی انتہاء کو پہنچ گیا پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو! میں نے پھر کہا کہ میں تو پڑھنے والا نہیں ہوں تو اس نے دوسری مرتبہ مجھے پکڑ کر دبایا۔یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری طاقت کی انتہا کو پہنچ گیا۔اس نے پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھو! میں نے پھر کہا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہو تو اس نے تیسری مرتبہ پکڑ کر مجھے دبایا اور دبوچا یہاں تک کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی

انتہاء کو پہنچ گیا اس نے پھر مجھے چھوڑا اور کہا کہ پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے ٹکڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو! تیرا رب تم پر بڑا کرم کرنے والا ہے......مالم یعلم تک پڑھا یہ آیات لے کر آپ ﷺ اس حال میں لوٹے کہ آپ ﷺ کا دل دھڑک رہا تھا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو...(۱۲)

اس کے بعد علامہ ابن جزی نے سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیات کے بارے میں تین مختلف قول نقل کیے ہیں ایک قول یہ کہ وہ اذا جاء نصرالله والفتح ہے اور دوسرا یہ کہ وہ سورہ بقرہ کی آیت الزنیٰ ہے تیسرا قول یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آیت الزنیٰ سے قبل والی آیت ہی سب سے آخر میں نازل ہوئی (۱۳)۔ مگر ان اقوال کے درمیان آپ نے ترجیح قائم نہیں کی۔

بعد ازاں جمع و ترتیب قرآن کو بحث کا حصہ بنایا کہ قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں متفرق صحیفوں اور صحابہ کرامؓ کے سینوں میں محفوظ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علیؓ نے ذاتی طور پر قرآن کو نزولی ترتیب پر جمع فرمایا مگر وہ محفوظ نہ رہا۔

فلما توفی رسول الله ﷺ قعد علی بن ابی طالب رضی الله عنه فی بیته، فجمعه علی ترتیب نزوله، ولو وجد مصحفه لکان فیه علم کبیر، ولکنه لم یوجد۔(۱٤)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت علی بن ابی طالبؓ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور انہوں نے قرآن پاک کو اس کے نزول کی ترتیب سے جمع کیا اگر ان کا یہ نسخہ دستیاب ہوتا تو اس میں بہت علم ہوتا لیکن وہ ناپید ہے۔

اور پھر مسیلمہ کذاب کے ساتھ جنگ میں حفاظ اور قراء کی ایک جماعت کے شہید ہونے کے بعد صحابہ کرامؓ کے باہمی مشورہ سے قرآن کو جمع کیا گیا۔

فجمعه فی صحف غیر مرتب السور وبقیت تلك الصحف عندأبی بکر رضي الله عنه، ثم عند عمر رضي الله عنه بعده، ثم عند بنته حفصة رضي الله عنها أُم المؤمنین۔(۱۵)

پس قرآن پاک کو صحف میں جمع کیا گیا مگر سورتوں کی ترتیب پر نہ تھے یہ صحف حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہے پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس پھر ان کی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس۔

بعد ازاں جب مسلمان دور دراز کے علاقوں میں پھیل گئے تو ان کے درمیان ایسے اختلافات رونما ہوئے جن کو ختم کرنے کے لیے سیدنا عثمانؓ نے لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کیا اور اس کی مختلف نقول کروا کر ان مصاحف کو

بلادِ اسلامیہ میں بھجوایا اور ان کے علاوہ باقی نسخوں کو تلف کرنے کا حکم جاری کیا۔

سورتوں کی ترتیب کے بارے میں دو طرح کے مؤقف اختیار کیے گئے ہیں۔ ایک گروہ کا یہ مؤقف ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔(۱۶) جبکہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ توقیفی نہیں بلکہ اجتہادی ہے اور صحابہ کرامؓ کے مشورے سے قائم کی گئی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ کچھ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے اور کچھ کی اجتہادی ہے۔(۱۷)

علامہ ابن جزی کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے ان کے نزدیک سورتوں کی ترتیب اجتہادی ہے اور صحابہ کرامؓ نے قرآن کی سورتوں کی ترتیب مقرر کی ہے۔

> فترتيب السور على ماهوالآن من فعل عثمانؓ و زيد بن ثابتؓ والذين كتبوا معه المصحف، وقد قيل انه من فعل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وذلك ضعيف ترده الآثار الواردة فى ذلك۔(۱۸)

سورتوں کی موجودہ ترتیب حضرت عثمان غنیؓ، زید بن ثابتؓ اور ان کے ساتھ شریک کار دوسرے کاتبین مصحف کا کارنامہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فعل ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے جس کی تردید اس میں وارد ہونے والے آثار کرتے ہیں۔

پھر آپ نے قرآن کے نقاط، اعراب، احزاب اور اعشار مقرر کیے جانے کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کے نقاط کے بارے میں تین اقوال بغیر کسی ترجیح کے نقل کر دیئے۔ ایک تو یہ کہ عبدالملک بن مروان کے حکم پر حجاج بن یوسف نے یہ کارنامہ سرانجام دیا اور یہ بھی کہا گیا کہ یحیٰ بن یعمر نے قرآن کریم پر نقاط مقرر کروائے اور تیسری رائے ابوالاسود الدولی کے بارے میں بھی پائی جاتی ہے۔(۱۹)

قرآن کریم کے ذاتی اور صفاتی اسماء کے بارے میں لکھتے ہیں:

> وأما أسماؤه فهى أربعة: القرآن، والفرقان، والكتاب، والذكر وسائر مايسمى صفات لاأسماء: كوصفه بالعظيم، والكريم، والمتين، والعزيز والمجيد، وغيرذلك۔(۲۰)

جہاں تک قرآن کے ناموں کا تعلق ہے تو وہ چار ہیں: قرآن، فرقان، الکتاب، ذکر، اور باقی سب نام صفاتی ہیں جیسا کہ عظیم، کریم، متین، عزیز، مجید اور اسی طرح کے اور بہت سے صفاتی نام ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ آپ نے اسماء قرآن کے معانی ومفاہیم بھی بیان کیے مثلاً "واما الفرقان :فمصدر ايضامعناه التفرقة بين الحق والباطل "(۲۱)

ذکورہ بالا باب میں دقیق نکات اور جزئیات کو چھوڑتے ہوئے نزولِ قرآن، جمع وترتیب قرآن اور تعارفِ

قرآن کے مباحث کو انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ سمیٹ دیا گیا ہے۔

## ۲۔ مکی اور مدنی سورتوں کی بحث:

مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان فرق کے لیے آپ نے سابقہ مفسرین کی اتباع میں یہ موقف اپنایا کہ وہ تمام سورتیں مکی ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہوئیں اور مدنی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں۔ چاہے وہ مدینے سے باہر کسی مقام پر بھی نازل ہوئی ہو۔ لکھتے ہیں:

ما نزل قبل الهجرة، و ان نزل بغير مكة كما ان المدنية هى السورة التى نزلت بالمدينة و يعدّ منها كل ما نزل بعد الهجرة و ا ن نزل بغير المدينة۔(۲۲)

اس کے بعد آپ نے زمانہ نزول کے اعتبار سے سورتوں کو تین اقسام میں منقسم کیا ہے ایک وہ جو صرف مدنی ہے، دوسری قسم جن کے مکی اور مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہو، تیسری قسم مکی سورتوں کی ہے۔

و تنقسم السور ثلاثة اقسام: قسم مدنية باتفاق، وهى اثنتان و عشرون سورة، وهى البقرة و آل عمران، والنساء، والمائدة، والانفال، وبراء ة، و النور، و الاحزاب، و القتال، و الفتح، و الحجرات، و الحديد، و المجادلة، و الحشر، و الممتحنة، و الصف، و الجمعة، و المنافقون، و التغابن، و الطلاق، و التحريم، و اء ذا جاء نصر الله و قسم فيها خلاف، هل هى مكية أو مدنية ؟و هى ثلاثة عشر سورة: أم القرآن و الرعد، و النحل، و الحج، و الانسان، و المطففون، و القدر، ولم يكن، و اء ذا زلزلت، و أرأيت، و الاخلاص و المعوذتين و قسم مكية باتفاق، وهى سائر السور، وقد وقعت آيات مدنية فى سور مكية، كما وقعت آيات مكية فى سور مدنية۔(۲۳)

اور ان میں بھی مکی سورتوں میں کچھ مدنی آیات اور مدنی سورتوں میں کچھ مکی آیات پائی جاتی ہیں۔ آخر میں آپ نے اختصار کے ساتھ مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات کو یوں بیان کیا:

جان لیجئے کہ عقائد کا اثبات، مشرکین کا رد، انبیاء کے واقعات زیادہ تر مکی سورتوں میں نازل ہوئے ہیں اور شرعی احکام یہود و نصاریٰ پر رد، منافقین کا تذکرہ، مسائل کا حل اور غزوات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مدنی سورتوں میں نازل ہوا ہے اور جہاں ''یایھا الذین آمنوا'' کا ذکر آیا ہے وہ سورت مدنی ہے اور جہاں تک تعلق ہے ''یا ایھا الناس'' کا تو اس کا ذکر مکی اور مدنی دونوں سورتوں

میں آیا ہے۔(۲۴)

## ۳۔قرآن مجید میں شامل مضامین ومعارف

علامہ ابن جزی نے قرآنِ مجید میں شامل مضامین ومعارف کو ایجاز واختصار سے بیان کیا۔بقول آپ کے اجمالاً قرآن مجید کے مضامین و معارف کو دیکھا جائے تو قرآن مخلوق کو اللہ کی عبادت اور قبولیت دین کی دعوت دیتا ہے اور اس پکار کا مقصد دو امور کا متقاضی ہے اور انہیں دو امور کی طرف پورے قرآن کے معانی لوٹتے ہیں۔(۲۵)

۱۔ ایک یہ کہ عبادت اور بندگی کا بیان اور اس کی طرف مخلوق کو بلانا۔

۲۔ دوسرے مرنے کے بعد جی اٹھنے کے بارے میں یعنی اخروی زندگی سے متعلق آیات نازل کیں۔

عبادت اور بندگی سے متعلقہ آیات میں عقائد اور احکام شامل ہے اور آخرت سے متعلقہ آیات میں ترغیب وترھیب پائی جاتی ہے۔(۲۶)

صاحب التسھیل نے مضامینِ قرآن کو سات حصوں میں تقسیم کیا:

وھی علم الربوبیة، و النبوة، و المعاد، و الأحکام، و الوعد، و الوعید، و القصص۔(۲۷)

آپ نے ان سب علوم کا مختصر تعارفی خاکہ بیان کیا کہ کس کس انداز میں قرآن کریم میں ان کا ذکر موجود ہے۔مثلاً

علم ربوبیت بوجودِ باری تعالیٰ کے اثبات اور اس کی شانِ ربوبیت پر اس کی مخلوقات سے استدلال سے متعلق ہے۔قرآن پاک میں مخلوقات پر تنبیہ،زمین آسمان،حیوانات،نباتات،ہوائیں،بارشیں،سورج چاند،دن رات اور دیگر موجودات کے پیدا کرنے میں غور وفکر کرنے کا ذکر آیا ہے یہ اس کے پیدا کرنے والے پر دلیل ہے اور اسی سے عقیدہ وحدانیت کو ثابت کرنا، مشرکین پر رد کرنا ہے۔اللہ تعالیٰ کی صفات الحیی،العلیم ،القدیر،السمیع،البصیر اور دیگر اس کے ناموں اور صفتوں کی تعریف کرنا اور اس کے شایان شان جو فعل نہیں اس سے اس کی پاکی کا بیان مقصود ہے۔(۲۸)

**علم احکام**:احکام اوامر ونواہی کی صورت میں موجود ہیں۔انہیں پانچ انواع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے اور وہ واجب،مندوب،حرام،مکروہ اور مباح ہے۔احکام میں بعض بدنی عبادات سے متعلق ہیں جیسے نماز اور روزہ اور کچھ مالی عبادات سے متعلق ہے جیسے زکوٰۃ اور کچھ کا تعلق قلب یعنی اخلاص سے ہے جیسے خوف وامید وغیرہ۔(۲۹)

اس کے علاوہ آپ نے نبوت،معاد،وعد وعید اور قصص پر بحث کی ہے ان میں سب سے زیادہ تفصیلی کلام علم القصص پر کیا گیا ہے جس میں قرآن کریم میں مذکور چند قصص کی طرف اشارہ کرنے کے بعد تکرارِ قصص کی حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔

## ۴۔قرآنِ مجید سے متعلقہ علوم وفنون

چوتھا باب علم کے ان فنون کے بیان میں ہے جو قرآن پاک سے متعلق ہیں اور فہمِ قرآن میں مدو معاون ہیں، آپ کے نزدیک تفہیمِ قرآن کے لئے درج ذیل بارہ علوم وفنون کی معرفت ناگزیر ہے:

وهی: التفسير، و القراء ات، و الاحكام، و النسخ، و الحديث، و القصص، و التصوف، وأصول الدين، وأصول الفقه، و اللغة، و النحو، و البيان۔(۳۰)

ان علوم میں سے سب سے پہلے آپ نے علم تفسیر پر کلام کیا کہ تفسیر فی نفسہ مقصود ہے اور باقی تمام فنون اس پر معاون ہیں یا اسی سے متعلق یا اسی پر متفرع ہیں۔تفسیر کا معنی قرآن پاک کے الفاظ ومعانی کی شرح و بیان ہے اور قرآن مجید کے ظاہری ومخفی معنی اور وہ مطلوب جس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کی وضاحت کرنا ہے۔(۳۱)
بعدازاں تفسیر میں اختلاف کے بارے میں علامہ نے اپنے خیالات کا اظہار قدرے تفصیل سے کچھ یوں کیا ہے:

> جان لیں کہ قرآن پاک کی تفسیر کچھ متفق علیہ ہے اور کچھ مختلف فیہ ہے پھر مختلف فیہ کی تین اقسام ہیں۔ایک عبارت میں اختلاف ہو مگر معنی میں اتفاق ہو اس کو بہت سے مؤلفین نے خلاف شمار کیا ہے مگر درحقیقت یہ کوئی خلاف نہیں ہے کیونکہ معنی میں اتفاق ہے ہم نے اس کو ایک ہی قول شمار کیا ہے ... اختلاف کی دوسری قسم مثال بیان کرنے کی ہے کیونکہ ایک ہی معنی کے تحت بہت سے مثالیں داخل ہیں اور کوئی ایک ہی مثال خصوصا مراد نہیں ہے۔مراد اس سے عمومی معنی لینا ہے جو اس مثال کے تحت عموما مندرج ہو اس کو بھی بہت سے مؤلفین نے خلاف شمار کیا ہے اور درحقیقت یہ بھی کوئی خلاف نہیں ہے کیونکہ ان میں سے ہر قول ایک مثال ہے اور ہر ایک مراد نہیں ہے اور ہم نے بھی اس کو خلاف شمار نہیں کیا ہے بلکہ ہم نے اس سے مراد عمومی عبارت لی ہے جو اس کے ضمن میں شامل ہے۔بعض اوقات ہم نے ان میں چند اقوال کو بطور مثال کے ذکر کیا ہے جس سے عمومی مقصود پر تنبیہ کرنا ہوتی ہے۔اختلاف کی تیسری قسم معنی کا اختلاف ہے یہ وہ قسم ہے جس کو ہم نے خلاف گردانا ہے اور ہم نے اس میں لوگوں کے اقوال کے مابین ترجیح دی ہے۔(۳۲)

مذکورہ بالا اقتباس میں ابن جزی نے تفسیر میں اختلاف کی تین جہتیں بیان کی ہیں۔ایک یہ کہ الفاظ مختلف استعمال کیے جائے مگر مفہوم ایک ہی ہو، تو یہ عبارت یا الفاظ کا اختلاف، خلاف (یعنی باہم ایک دوسرے کی ضد ہونا) نہیں کہلائے گا۔اسی طرح تفسیر کرتے ہوئے وضاحت کے لیے مختلف مثالیں رقم کرنا بھی خلاف نہیں ہے اس سے مراد عمومی معنی لینا ہوتا ہے۔البتہ اختلاف کی تیسری قسم معنی میں اختلاف ہے جو خلاف کی قبیل سے ہے بعدازاں ان

مختلف اقوال میں ترجیح کے حوالے سے مقدمہ کے پانچویں باب میں آپ نے ترجیح کی بارہ وجوہ رقم کی ہیں۔
اسی بحث میں آپ نے تفسیر اور تاویل کے مابین فرق واضح کرتے ہوئے بیان کیا:

> اس میں تین اقوال ہیں، ایک یہ کہ تفسیر اور تاویل ایک ہی ہیں دوسرا یہ کہ تفسیر لفظ کی ہوتی ہے اور تاویل معنی کی، تیسرا قول یہ ہے کہ تفسیر شرح کو کہتے ہیں اور تاویل کلام کو اس معنی پر محمول کرنا جو ظاہری معنی کے مخالف ہو۔ کیونکہ کلام کا مقتضیٰ بھی یہی ہوتا ہے کہ اسے غیر ظاہری معنی پر محمول کیا جائے اور یہ قول وہ ہے جو درست ہے۔(۳۳)

آپ نے چوتھے باب کی بحث اول میں تفسیر کے معنی و مفہوم، تفسیر میں اختلاف، تفسیر اور تاویل کے مابین فرق کی وضاحت کی ہے۔ اور بڑی تفصیل کے ساتھ ان موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ اسی طرح آپ نے بقیہ فنون کو باری باری موضوع بحث بنایا ہے مثلاً:

نسخ: جہاں تک تعلق ہے نسخ کا تو نسخ صرف احکام میں ہی ہوتا ہے اخبار میں کبھی نسخ واقع نہیں ہوتا۔ اور تفسیرِ قرآن میں اس امر سے واقفیت انتہائی ضروری ہے کہ قرآن مجید میں کون سی آیات ناسخ اور کون سی آیات منسوخ ہیں اور اس ضمن میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ آیات محکمات کبھی منسوخ نہیں ہوتی۔ علماء نے ناسخ ومنسوخ پر کثیر التعداد کتب تالیف کی ہیں جن میں سے سب سے اچھی قاضی ابوبکر ابن العربی کی کتاب ہے۔ اور انہی مقدمات میں سے ہم نے علیحدہ سے قواعد نسخ پر مستقل باب قائم کیا ہے اور قرآن مجید کی بعض منسوخ آیات کی نشاندہی بھی کی ہے جبکہ دوران تفسیر ہر منسوخ آیت کی اس کے مقام پر وضاحت کی ہے۔(۳۴)

تصوف: تصوف کا تعلق بھی قرآن سے ہے۔ جیسے کہ قرآن میں الٰہی معرفت، نفوس کی ریاضت اور قلوب کی تنویر کے لیے آیات موجود ہیں۔ نفس کی تطہیر کے لیے اخلاق حمیدہ کو حاصل کرنے اور اخلاق ذمیمہ سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی لئے صوفیانہ طرز پر بھی تفاسیر لکھی گئیں جن میں سے کچھ صوفیانہ تفاسیر میں نور بصیرت سے معانی کی بہترین وضاحت کی گئی اور حقیقی مراد پر ہی توقف کیا گیا ہے جبکہ کچھ دیگر صوفیانہ تفاسیر میں باطل کا اختلاط ہو گیا اور ان میں قرآن کو ایسے معانی پر محمول کیا گیا، جس کی لغت عرب میں گنجائش موجود نہیں۔(۳۵)

آپ کے نزدیک السلمی نے اپنی تفسیر ''الحقائق'' میں صوفیانہ باتوں کو شامل کیا اور میں نے اپنی تفسیر کتاب التسهيل لعلوم التنزيل میں بارہ مقامات پر تصوف پر کلام کیا ہے۔(۳۶)

اصول دین: باب کے آخر میں آپ نے اصولِ دین پر کلام کیا ہے کہ اس علم کا قرآن پاک سے دو طرح سے تعلق ہے ایک تو وہ آیات ہیں جو قرآن پاک میں عقائد کے اثبات اور اسکے دلائل میں اور کفار کے رد کے سلسلے میں وارد ہوئی

ہیں ،اور دوسری قسم میں مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کا قرآن سے تعلق ہے اور ان میں سے ہر گروہ اور فرقہ اپنے مذہب ومسلک کے اثبات اور دلائل میں قرآن پاک کو پیش کرتا ہے اور اپنے مخالفین کا رد کرتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مخالف قرآن پاک کے خلاف ہے۔اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ ان میں سے کوئی تو حق پر ہے اور کوئی باطل پر ،پس قرآن کی تفسیر کی پہچان کی بدولت اور اللہ تعالی کی توفیق سے تحقیق تک پہنچا جا سکتا ہے۔(۳۷)

ان علوم کے علاوہ آپ نے اس باب میں ،قرأت، اصول فقہ، نحو، لغت اور علم البیان وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

## ۵۔ مفسرین کے درمیان اختلاف کے اسباب اور وجوہ ترجیح

قرآن مجید قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے دستورِ حیات ہے۔ یہ زندگی کے ہر شعبہ میں رہبر ورہنما اور علوم ومعارف کا مخزن ہے۔کلام اللہ شریف کی یہ شانِ اعجاز ہے کہ اس میں غور وفکر ہر بار علم وعرفان کے ایک نئے باب کو وا کرتا ہے ، اس کی تفسیر جستجو حق ہے۔ پہلے پہل حدیث کی تالیفات میں ہی کتاب التفسیر ترتیب دی جاتی تھی ،پھر تفسیر کو حدیث سے الگ ایک فن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔تفسیر میں مستقل تصانیف لکھی جانے لگیں رفتہ رفتہ تفسیری ادب میں مفسرین کے مزاج کے مطابق مختلف رجحانات منظر عام پر آئے اور مختلف قسم کی تفسیری آراء سامنے آئیں۔

مفسر ابن جزی نے اس باب میں مفسرین کے درمیان اختلاف کے بارہ اسباب نقل کیے ہیں:

> اختلاف کے بارہ اسباب ہیں؛ پہلا: اختلاف القرآن، دوسرا: وجوہ اعراب میں اختلاف اگرچہ قرائت متفق ہو۔ تیسرا: کسی لفظ کے معنی میں اہل لغت کا اختلاف، چوتھا: کسی لفظ کا دو معنی یا اس سے زیادہ میں مشترک ہونا پانچواں: عموم وخصوص اور چھٹا: مطلق ومقید کا احتمال، ساتواں: حقیقت اور مجاز کے احتمال، آٹھواں :اضمار اور استقلال کا احتمال ، نو اں: زائد کلمہ کا احتمال، دسواں: کلام کو ترتیب اور تقدیم وتاخیر پر محمول کرنے کا احتمال، گیارہواں: حکم کے منسوخ یا محکم ہونے کا احتمال، بارہواں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین سے تفسیر نقل کرنے میں روایت کا اختلاف۔(۳۸)

مفسر ابن جزی نے اختلاف کے صرف اسباب نقل کیے ہیں مگر ان کی توضیح وتشریح میں قرآنی نظائر بیان نہیں کیے۔اس کے بعد آپ نے تفسیر قرآن میں مختلف فیہ اقوال میں ترجیح کی بارہ وجوہ بیان کی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہیں:(۳۹)

۱۔ قرآن کی قرآن سے تفسیر: اگر قرآن مجید کی ایک آیت کی وضاحت اگر کسی دوسری آیت سے ہو رہی ہو تو ہم اس کو اسی پر محمول کریں گے اور اس قول کو دوسرے اقوال پر ترجیح دیں گے۔

۲۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم: اگر تفسیرِ قرآن میں کوئی فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہوا ہو تو ہم اسی پر اعتماد کریں گے۔

خصوصاً جبکہ اس سلسلہ میں صحیح حدیث وارد ہو۔

۳۔ جمہور اور اکثر مفسرین کا قول: کیونکہ کسی قول کے قائلین کی کثرت اس کے راجح ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔

۴۔ صحابہ کرامؓ میں سے جن کی اقتداء کی جاتی ہے جیسا کہ خلفاء اربعہؓ یا پھر عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہو، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی ''اے اللہ ان کو دین میں سمجھ نصیب فرما اور ان کو قرآن پاک کا علم سکھا''

۵۔ وہ قول جس کی صحت پر کلام عرب دلالت کرے: چاہے وہ لغت سے ہو یا اعراب یا تصریف یا اشتقاق کے باب سے ہو۔

۶۔ وہ قول جس کی صحت پر سیاقِ کلام دلالت کرتا ہو: یعنی کلام کا ماقبل یا مابعد قول کے صحیح ہونے پر دلالت کرے۔

۷۔ وہ معنی جس کی طرف ذہن فوری طور پر متوجہ ہو: اس معنی کی طرف ذہن کا فوری متوجہ ہونا ہی اس کے ظاہر ہونے کی دلیل ہے۔

۸۔ مجاز پر حقیقت کا مقدم ہونا: کیونکہ اصولیین کے ہاں حقیقت اس بات کے زیادہ حقدار ہے کہ لفظ کو اس پر محمول کیا جائے اور کبھی مجاز کو ترجیح دی جاتی ہے جب اس کا استعمال زیادہ ہو حتی کہ وہ حقیقت کے مقابلہ میں استعمال میں زیادہ اغلب ہو اور اس مجاز کا نام مجاز راجح رکھا جاتا ہے اور حقیقت کا نام حقیقت مرجوحہ رکھا جاتا ہے اور علماء کا اس بات میں اختلاف کہ ان میں سے کس کو مقدم کیا جائے گا؟ پس امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ حقیقت کو مقدم کیا جائے گا کیونکہ یہ اصل ہے۔

۹۔ عموم کو خصوص پر مقدم کرنا: عموم اولیٰ ہے کیونکہ یہ اصل ہے مگر یہ کہ تخصیص پر کوئی دلیل موجود ہو۔

۱۰۔ مطلق کو مقید پر مقدم کرنا: مگر یہ کہ مقید پر کوئی دلیل ہو۔

۱۱۔ استقلال کو اضمار پر تقدیم حاصل ہے: سوائے اس کے کہ اضمار پر کوئی دلیل موجود ہو۔

۱۲۔ کلام کو اس کی اصل ترتیب پر ہی محمول کیا جائے گا: سوائے اس کے کہ ترتیب کی تقدیم یا تاخیر پر کوئی دلیل دی جائے۔

مفسرین کے درمیان اختلاف کے اسباب اور مختلف فیہ اقوال میں ترجیح قائم کرنے کی وجوہ دو اہم موضوعات ہیں جن پر مفسرین نے اپنے مقدمات میں شاذو نادر ہی کلام کیا ہے البتہ ابنِ جزی نے ان موضوعات کے اصول وکلیات کو انتہائی احسن انداز میں بیان کیا جس سے کوئی بھی مفسر اور محقق تفسیری میدان میں

پائے جانے والے اختلافی اقوال کی حقیقت کو نہ صرف سمجھ سکتا ہے بلکہ ان اقوال کے درمیان ترجیح وتطبیق کے وہ اصول جو ابن جزی نے بیان کیے، کی معرفت سے حل اختلاف کی سبیل پیدا کرسکتا ہے۔مقدمہ ھذا کی یہ بحث اسے دوسرے مقدمات تفسیر سے ممتاز کرتی ہے۔

## ٦۔مفسرین کا تذکرہ

مفسرابن جزی نے اس باب میں مفسرین کے حوالے سے یہ نقطہ واضح کیا ہے کہ مفسرین کے دوگروہ ہیں۔ ایک وہ جوقرآن کی تفسیر اور معانی میں کلام کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جوتفسیر کے لیےصرف روایات نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

اعلم أن السلف الصالح انقسموا الى فرقتين: فمنهم من فسر القرآن و تكلم فى معانيه۔ وهم الأكثرون۔ و منهم من توقف عن الكلام فيه احتياطا لما ورد من التشد يد فى ذلك۔(٤٠)

جان لیجیے سلف صالحین نے مفسرین کو دوگروہوں میں تقسیم کیا ہے ایک تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر کی اور اس کے معانی میں کلام کیا ان کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ دوسری قسم وہ جنہوں نے اس میں کلام کرنے سے توقف کیا، یہ بطور احتیاط کے تھا کیونکہ اس سلسلہ میں بہت سخت احادیث وارد ہوئی ہیں۔اس کے بعد آپ نے مفسرین کے طبقات کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ طبقہ اولیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہیں،جن سے تفسیری اقوال مروی ہیں۔آپ نے مفسرین صحابہ کرام میں علی بن ابی طالب،عبداللہ ابن مسعود،ابی بن کعب، زید بن ثابت،عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کا ذکر کیا ہے۔(۴۱)

۲۔ طبقہ ثانیہ تابعین پر مشتمل ہے۔تابعین مفسرین میں حسن بن حسن بصری،سعید بن جبیر،مجاہد اور علقمہ رحمۃاللہ علیہم وغیرہ ہیں۔ان سے سیکھنے والوں میں عکرمہ،قتادہ،سدی،ضحاک ابن مزاحم،ابوصالح اور ابوالعالیۃ رحمۃ اللہ علیہم شامل ہیں۔(۴۲)

بعد ازاں تفاسیر لکھنے والوں میں عبدالرزاق،عبد بن حمید،امام بخاری،علی بن ابی طلحہ اور اسکے بعد کے طبقہ میں ابن جریرطبری،ابوبکر النقاش،ثعلبی،اور ماوردی کا ذکر کیا ہے۔تفسیر قرآن کے علاوہ آپ نے ماہرین علوم القرآن کی تصنیفات کا بھی اجمالاً ذکر کیا اور آئمہ اندلس کی خدمات کو خوب سراہا۔مکی بن ابی طالبکے بارے لکھا کہ انھوں نے تقریباً اسّی کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر علوم القرآن،قراءت،اور تفسیر وغیرہ پر مشتمل تھیں اسی طرح ابوعمروالدانیؒ نے ایک سوبیس کتابیں رقم کیں جن میں سے بیشتر قراءت سے متعلق تھیں۴۳۔ دیگر آئمہ کے تذکرہ کے بعد اپنے

استاذ ابوجعفر ابن زبیر کے علمی پایہ کو یوں بیان کیا۔

سارے مغرب اور اندلس کا علم ہمارے استاذ ابوجعفر ابنِ زبیر پر آ کر اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔ درحقیقت انہوں نے اپنی پوری زندگی قرآن کی خدمت میں گزاری، اللہ نے انہیں وسعتِ علم اور قوتِ فہم عطا کی تھی یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں آپکی گہری تحقیق ونظر تھی۔(۴۴)

مذکورہ بالا باب میں مفسر ابن جزی نے مفسرین کو پہلے منقولات ومعقولات کے حوالے سے منقسم کیا ہے اور بعدازاں عہد بہ عہد مفسرین کے طبقوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔

۷۔ علم ناسخ ومنسوخ

نسخ فی القرآن کی بحث علوم القرآن کی اہم اور مشکل مباحث میں سے ایک ہے۔ قرآن کریم کے احکامات کو جاننے کے لیے ناسخ ومنسوخ کی پہچان ضروری ہے۔ احکام کا استنباط اور آیات کی صحیح تفہیم ناسخ ومنسوخ کو جانے بغیر ممکن نہیں اور جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ علم ناسخ ومنسوخ کے بغیر کتاب اللہ کے معانی ومطالب میں گفتگو کرنا ہلاکت ہے۔

ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه مربقاص یقص فقال: هل علمت الناسخ و المنسوخ قال لا، قال هلکت و اهلکت۔(٤٥)

اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت ہے جو النحاسؒ نے حضرت علیؓ سے نقل کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ مسجد میں داخل ہوئے جہاں ایک آدمی لوگوں کو وعظ کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو لوگوں نے کہا یہ آدمی لوگوں کو وعظ کر رہا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو ناسخ ومنسوخ کو جانتا ہے؟ جواب میں اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور آئندہ یہاں وعظ نہ کہنا۔(۴۶) مفسر موصوف نے نسخ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے لکھا:

النسخ فی اللغة: هو الازالة و النقل۔ و معناه فی الشریعة رفع الحکم الشرعی بعد ما نزل۔(٤٧)

لغت میں نسخ ازالہ کرنے اور منتقل کرنے کو کہتے ہیں۔ شریعت میں اس کے معنی ایک شرعی حکم کو اس کے نازل ہونے کے بعد اٹھالینا ہے۔

پھر آپ نے منسوخ کے اعتبار سے نسخ کی تین قسمیں بیان کی ہیں اوران کی ایک ایک مثال بھی تحریر کی ہے۔

نسخ اللفظ و المعنیٰ: الفاظ اور حکم دونوں کا منسوخ ہو جانا۔ اسکی مثال میں لکھتے ہیں: لا ترغبوا عن آبائکم فانه

کفر بکم۔(۴۸)

نسخ اللفظ دون المعنی: الفاظ منسوخ ہو جائے مگر حکم باقی رہے۔ جیسا کہ: الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجمو هما البتة نکالا من اللّٰہ و اللّٰہ عزیز حکیم۔(۴۹)

نسخ المعنی دون اللفظ: تیسری قسم یہ ہے کہ آیت کے الفاظ تو باقی ہو مگر اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہو:

> نسخ المعنی دون اللفظ وهو كثير وقع منه فی القرآن علی ماعدّ بعض العلماء مائتا موضع و ثنتا عشرة مواضع منسوخة، الّا أنهم عدوا التخصيص و التقييد نسخا، و الاستثناء نسخا، و بين هذه الأشياء و بين النسخ فروق معروفة۔(۵۰)

الفاظ کے نسخ کے بغیر صرف حکم کا منسوخ ہونا یہ قرآن پاک میں اکثر واقع ہوا ہے جیسا کہ علماء نے دو سو بارہ مقامات شمار کئے ہیں جو منسوخ ہیں البتہ یہ بات اپنی جگہ کہ انہوں نے تخصیص، تقیید اور استثنا کو بھی نسخ شمار کیا جبکہ ان میں اور نسخ کے درمیان بہت فرق ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ کفار کے ساتھ صلح و سلامتی، عفو و درگزر اور ان کی ایذاؤں پر صبر والی تمام آیات، آیت سیف سے منسوخ قرار دی گئی ہیں۔ مثال کے لیے چند آیات درج ذیل ہیں جو ابن جزی نے بطور شواہد بیان کیں:

ففی البقرہ: (و قولوا للناس حسنا) (البقرہ ۲:۸۳) (ولنا أعمالنا) (البقرہ ۲:۱۳۹) (ولا تعتدوا) (البقرہ ۲:۱۹۰) أی لا تبد ء وا بالقتال (ولا تقاتلوهم) (البقرہ ۲:۱۹۱) (قل قتال) (البقرہ ۲:۲۱۷) (لااکراہ) (البقرہ ۲:۲۵۶) وفی آل عمران (فانما علیك البلاغ) (منهم تقاة)......(۵۱)

علامہ موصوف نے آیت سیف سے ہونے والی منسوخ آیات کو یکجا نقل کر کے نسخ کی بحث کا اختتام کیا ہے۔

## ۸۔ علم قرأت

قرأت وہ علم جس سے کتاب اللہ کے ناقلین کا سماعی اور روایتی حیثیت سے کلمات قرآنیہ کے نطق میں اختلاف یا اتفاق معلوم ہو۔(۵۲) علامہ ابن جزی نے قرأت کی دو قسموں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) قرأت مشہورہ

(۲) قرأت شاذہ

قراء سبعہ کی قرأت، قرأت مشہورہ ہیں۔ ابن جزی قراء سبعہ (۵۳) کے نام تحریر کرنے کے بعد دو اور قاریوں کا ذکر کرتے ہیں جو شہرت میں اور صحت میں ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے قائم مقام ہیں یعنی یعقوب الحضرمی بن محیصن اور یزید بن القعقاع، ان کے علاوہ باقی شاذ ہیں۔(۵۴) علامہ نے قبولیتِ قرأت کی تین شرائط بیان کی ہیں:

موافقتة لمصحف عثمان بن عفان رضی الله عنه، و موافقته لكلام العرب ولو على بعض الوجوه أو فی بعض اللغات، و نقله نقلا متواتر أو مستفيضا۔(۵۵)

وہ مصحف عثمان بن عفانؓ کے مطابق ہو۔کلام عرب کے موافق ہواور اگر چہ بعض وجوہ یا بعض لغات پر ہو اوراس کو متواتر یا مستفیضاً نقل کیا گیا ہو۔

اس کے بعد آپ قراء کے درمیان اختلاف کی اقسام اور وجوہ تحریر کرتے ہیں آپکے نزدیک قرات میں اختلاف دوطرح سے ہوا۔

(۱) اصول

(۲) فرش الحروف

آپ نے پہلے فرش الحروف کی وضاحت کی ہے۔

فرش الحروف:یعنی الفاظ کے لکھنے میں اختلاف دوطرح سے ہے۔ایک یہ قرأت میں اختلاف کے ساتھ معنی بھی بدل جائے۔دوسرے قرأت میں اختلاف ہو مگر معنی وہی رہے۔

فاما الفرش: فهو ما لا يرجع الى أصل مضطرد،ولا قانون كلی، وهو على وجهين: اختلاف فی القراء ة باختلاف المعنی، و باتفاق المعنی۔(۵۶)

پس جہاں تک فرش کا تعلق ہے تو اس میں کوئی قاعدہ یا کلیہ نہ ہو اور اس کی دوقسمیں ہیں۔قرأت میں اختلاف معنی میں اختلاف کے سبب ہو یا معنی میں اتفاق کے سبب۔

قرأ کے اختلاف کی دوسری قسم الاصول ہے۔

الأصول:اس اختلاف میں معنی نہیں بدلتے۔آپ نے اس کے آٹھ قواعد تحریر کیے ہیں۔مثال کے لیے دوقواعد درج ذیل ہیں:

۱۔الادغام و الاظهار، و الأصل الاظهار، ثم يحدث الادغام فی المثلين، أو المتقاربين و فی كلمة، وفی كلمتين، وهو نوعان: اء دغام كبير انفردبه أبوعمرو: وهو اء دغام المتحرك۔ و اء دغام صغير لجميع القراء: وهو اء دغام الساكن۔(۵۷)

ادغام اوراظہار، اصل اظہار ہے پھر ایک کلمہ میں یا دوکلمہ میں مثلین یا متقاربین میں ادغام ہوا ہے۔اس کی دوقسمیں ہیں ادغام کبیر جس میں ابوعمرو کو انفرادیت حاصل ہے، اس کو ادغام متحرک بھی کہتے ہیں۔ادغام صغیر کے تمام قراء قائل ہیں اوراس کو ادغام ساکن کہتے ہیں۔

۲۔ الإمالة:وھی أن تنحو بالفتحة نحو الکسرة۔ و بالألف نحو الیاء، و الأصل الفتح، و یوجب الامالة الکسرة و الیاء۔ (۵۸)

فتحہ کو کسرہ کی طرف جھکا کر اور الف کو یا کی طرف جھکا کر پڑھنا امالہ کہلاتا ہے۔ اصل فتحہ ہے اور امالہ، کسرہ اور یا کو واجب کرتا ہے۔

مفسر ابن جزی کے طرزِ تحریر کی خوبی اختصار اور جامعیت اس باب میں بھی نمایاں ہے۔ آپ نے قرأت اور اختلاف قرأت کے حوالے سے اہم نکات کو مختصراً بحث میں شامل کیا ہے۔

## ۹۔ علم وقف

وقف کا تعلق قرأت و تلاوت قرآن سے ہے یعنی تلاوت کرتے ہوئے توقف کرنا اور رکنا وقف ہے۔

وقف یقف و وقفا، وقوفا کے معنی ہیں ٹھہرنا، چپ چاپ کھڑا ہونا، الموقف: کلمہ کو مابعد سے قطع کرنا جیسے، مفعولات کی تاء کو ساکن کیا گیا ہے۔ (۵۹) علامہ جزری وقف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

یعنی کلمہ (موقوف علیہ) پر آواز کو اس قدر وقف کے لیے قطع کرنا جس میں آدمی فطری طور پر سانس لیتا ہے نیز یہ کہ قطع قرأت کا ارادہ نہ ہو بلکہ آگے پڑھنے کا ارادہ ہو۔ (۶۰)

قاری محمد عبداللہ مہاجر مکی وقف کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

یعنی قراء کے نزدیک وقف سے مراد آواز اور نفس کا قطع کرنا اور اگر حرف متحرک ہے تو اسے ساکن کرنا ہے۔ (۶۱)

علم وقف کا تعلق قرآن کے حروف، کلمات اور معانی سے ہے۔ اس کی معرفت قرآن کی صحیح تلاوت اور صحیح مقام پر وقف کے لیے ضروری ہے۔ اگر وقف ٹھیک جگہ پر نہ کیا جائے تو کلام الٰہی کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ورَتّل القرآنَ تَرْتِیْلاً۔ (۶۲)

قرآن کو ترتیل کے ساتھ خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

وقف کی اسی ضرورت و اہمیت کے پیش نظر علمائے علوم القرآن اور مفسرین کرام نے اسے موضوع بحث بنایا ہے۔ علامہ ابن جزی نے وقف کی چار انواع کا ذکر کیا ہے۔

وھی أربعة أنواع: وقف تام، و حسن، و کاف، و قبیح ۔(۶۳)

وقف کی چار اقسام ہیں وقف تام، حسن، کاف اور قبیح۔

اس کے بعد آپ نے اقسام وقف کی تعریفات نقل کی ہیں۔ ہر نوع کی تعریف مندرجہ بالا ترتیب کے برعکس رقم کی گئی ہے یعنی سب سے پہلے قبیح پھر کاف پھر حسن اور آخر میں تام کی تعریف ہے۔

وقف قبیح: ایسا کلام جو اپنے بعد کے کلام سے اعراب اور معنی میں جڑا ہو اور اسی طرح بعد والا کلام پہلے والے کلام سے، جیسا کہ معمول اور عامل، مبتداء اور اسکی خبر، موصول اور اس کے صلہ وغیرہ ان سب کے مابین فصل کرنا جائز نہیں۔ (٦٤)

علامہ نے وقف قبیح کی تعریف نقل کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ اس کی توضیح کے لیے قرآن مجید سے امثلہ پیش نہیں کیں۔

وقف قاف: اگر پہلا کلام ایک مستقل بات ہے جو دوسرے کلام کے بغیر سمجھ میں آ رہا ہے ہاں مگر دوسرا کلام مستقل نہ ہو مگر پہلے سے مل کر، پس پہلے پر وقف کافی ہے۔'' (٦٥)

وقف کاف پر وقف اور اس کے بعد سے ابتداء بہتر ہے۔ بعد ازاں علامہ ابن جزی نے وقف حسن اور وقف تام کی ایک ساتھ وضاحت کی ہے۔

وقف حسن و وقف تام: دو مستقل کلاموں میں ایک ہی قصہ کے بارے میں بات ہو تو اول پر وقف حسن ہے۔ دونوں کلام الگ الگ قصہ کے بارے میں ہوں تو پھر وقف ''وقف تام'' ہے۔

و ان کان الکلام مستقلا و الثانی کذلک، فان کا نافی قصة واحدة فالوقف علی الأول حسن، و ا ن کانا فی قصتین مختلفتین فالوقف تام۔(٦٦)

باب کے اختتام پر آپ نے وقف کی اہمیت حدیث کی روشنی میں بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں:

عن امّ سلمة رضی اللہ عنها أنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یقطع قراء ته یقول: الحمد للہ رب العالمین ثم یقف، الرحمن الرحیم ثم یقف۔(٦٧)

ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت میں ایک ایک آیت پر وقف کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ رب العالمین پڑھتے اور ٹھہر جاتے۔ پھر آپ الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور ٹھہر جاتے۔

علامہ ابن جزی نے اختصار کے ساتھ وقف کی بحث کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔

### ۱۰۔ فصاحت و بلاغت

فصاحت و بلاغت کا تعلق کلام سے ہے یعنی خوبصورت اور معنی خیز انداز میں مخاطب تک اپنی بات کو پہنچانا۔ لغوی اعتبار سے فصاحت کا مطلب ہے ''ظاہر اور واضح ہونا''، یعنی کسی چیز کا اس حد تک نمایاں اور روشن ہو جانا کہ اس کا کوئی پہلو مخفی نہ رہے، یہ فصح یفصح فصاحہ باب کرم سے مصدر ہے۔ (٦٨) جبکہ بلاغت کا لغوی مفہوم اپنی

مراد تک پہنچنا یا کسی چیز کی گہرائی تک پہنچنا ہے۔(۶۹)

مفسر ابن جزی نے فصاحت و بلاغت کے حوالے سے اہم نکات کو بحث میں شامل کیا ہے۔ باب کے آغاز میں آپ نے فصاحت کی پانچ شرائط تحریر کی ہیں۔

پہلی شرط یہ کہ الفاظ عربی ہوں وہ نہ ہوں جنہیں مولدین نے گھڑ لیا ہو اور نہ ہی غلط العام میں سے ہوں۔ دوسری شرط یہ کہ وہ الفاظ مستعملہ میں سے ہوں، نامانوس اور ثقیل الفاظ نہ ہوں۔ تیسری یہ کہ عبارت ایسی ہو کہ معنی پوری طرح ادا کرے کوئی امر مخفی نہ ہو۔ چوتھی یہ کہ عبارت سہل اور آسان انداز میں ہو۔ تعقید سے محفوظ ہو۔ پانچویں یہ کہ کلام حشو سے محفوظ ہو۔(۷۰) پھر بلاغت کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

بلاغت کلام کا سیاق ہے جو مقتضی حال کے مطابق ہو جیسے ایجاز، اطناب، تھویل، تعظیم، تحقیر، تصریح، کنایہ، اشارہ اور اس جیسی خصوصیات جو نفوس کو متحرک اور دلوں میں اثر پیدا کرے اور سامع کو معنی و مفہوم تک پہنچا دے۔(۷۱)

علم بیان کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> و اما ادوات البيان: فهي صناعة البديع، وهو تزيين الكلام كما يزين العلم الثوب۔(۷۲)
>
> ادوات البیان صناعۃ البدیع ہے یعنی کلام کو سنوارنا اور مزین کرنا جیسا کہ کپڑے کو نقش و نگار سے سنوارا اور مزین کیا جاتا ہے۔

آپ کے نزدیک قرآن میں بیان کی بائیس انواع پائی جاتی ہیں۔ مقدمہ میں آپ نے ان بائیس انواع کو اختصار سے بیان کیا مثلاً مجاز اور کنایہ سے متعلق لکھا ہے: مجاز لفظ کو معنی غیر موضوع لہ میں استعمال کرنا، معنی موضوع لہ اور غیر موضوع لہ میں تعلق کی بنیاد پر۔ جبکہ دوسری قسم کنایہ ہے جو ایسی شے سے عبارت ہے جس میں بغیر تصریح کے اسے لازم کیا جاتا ہے۔(۷۳)

قرآن کریم فصاحت و بلاغت اور بیان کی تمام خوبیوں کا مرقع ہے۔ چنانچہ قرآن کی تفسیر کرنے والے مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم بلاغت کو خوب جانتا ہو۔

### ۱۱۔ اعجاز القرآن

اعجاز کے معنی عاجز کر دینے کے ہیں۔ قرآن مجید کے مقام، مرتبہ اور شان کی کتاب لانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ قرآن مجید نہ صرف کلام اور الفاظ کے لحاظ سے بھرپور معجزہ ہے بلکہ معانی اور مطالب کے لحاظ سے بھی بے مثل ولازوال ہے۔ مفسر ابن جزی نے اعجاز قرآنی کی دس وجوہ تحریر کی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ قرآن پاک اپنی فصاحت کی وجہ سے دوسرے کلاموں سے جدا اور ممتاز ہے۔

۲۔ اس کی آیات کے قطعات اور کلمات کے فواصل میں عجیب اور انوکھا اسلوب ہے۔
۳۔ تمام مخلوقات اس کے نزول کے وقت سے تاحال اس کی مثل اور نظیر لانے سے عاجز اور قاصر رہی ہیں۔
۴۔ اس کا سابقہ امم اور ماضی کے واقعات کی خبر دینا جبکہ نبی کریم ﷺ تو یہ سب نہیں جانتے تھے اور نہ ہی انہوں نے کسی کتاب میں سے یہ پڑھا تھا۔
۵۔ پانچویں یہ کہ اس کا مستقبل کے بارے میں خبریں دینا اور ان کا ویسے ہی وقوع پذیر ہونا۔
۶۔ اللہ باری تعالیٰ کی تعریف اور اس کے اسماء وصفات کا ذکر کرنا،مخلوق کو اس کی وحدانیت اور عبادت کی دعوت دینا اور اس کے لیے واضح براھین اور حجت کا قائم کرنا،اس کے ساتھ ساتھ کفر کی تمام اصناف کا رد کرنا یہ کسی بشر کے بس کی بات نہیں ہے یہ اللہ علیم وخبیر کی طرف سے وحی ہی ہے۔
۷۔ احکام اور شرع کا عطا کرنا،حلال اور حرام کو واضح کرنا،دنیا اور آخرت کے مصالح کی طرف رہنمائی کرنا،مکارم اخلاق کی ہدایت کرنا،یہ ہی حکمت کی غایت اور علوم کا ثمر ہے۔
۸۔ ہر قسم کے تغیر وتبدل سے اس کا محفوظ ہونا۔
۹۔ اس کا جلد حفظ ہو جانا (زبان پر کلام الٰہی کا جاری ہو جانا) بھی اس کے اعجاز کا ثبوت ہے۔
۱۰۔ دوسرے کلاموں کی طرح اس کا بار بار پڑھنا قاری یا سامع کو اکتاہٹ میں مبتلا نہیں کرتا۔(۴۷)

مفسرِ گرامی نے بغیر کسی تمہید کے اعجازِ قرآنی کی دس وجوہ تحریر کی ہیں،اعجاز کی معنوی وضاحت نہیں کی اور نہ ہی وجوہِ اعجاز کی وضاحت میں نظائر رقم کی ہیں۔

## ۱۲۔فضائل قرآن

کلام اللہ کو تمام کلاموں پر ویسی ہی فضیلت اور برتری حاصل ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کو تمام مخلوقات پر۔ کتب احادیث میں قرآن کی عظمت اور فضیلت کو بار بار بیان کیا گیا ہے تا کہ قرآن کی عظمت اور محبت کا جذبہ دلوں میں جاگزیں ہو اور عمل کی راہیں آسان ہوں۔

مفسر ابن جزی نے مقدمہ تفسیر کے آخری باب میں فضائل قرآن بیان کیے ہیں۔قرآن کی فضیلت اور عظمت کے بیان کے لیے آپ نے صحیح احادیث کو منتخب کیا ہے۔

## مقدمہ تفسیر ابن جزی کی خصوصیات وممیّزات

"کتاب التسھیل لعلوم التنزیل"علوم و معارف کی جامع تفسیر ہے۔تفسیر کا مقدمہ علوم القرآن کے بنیادی مباحث پر مشتمل ہے۔مقدمہ کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

## سلاستِ اسلوب

علامہ ابن جزی کی تفسیر سادہ، آسان اور عام فہم ہے۔ مقدمہ تفسیر میں مشکل لفظی ترکیبات اورزبان وادب کی پیچیدگیاں نہیں پائی جاتیں اور بے جا طوالت سے بھی اجتناب برتا گیا ہے۔علوم القرآن کے فنی مباحث کی وضاحت سہل اور عام فہم انداز میں کی گئی ہے۔تفسیر کے مقدمہ میں مؤلف نے اس اصول کوان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

جمع كثير من العلم، فى كتاب صغير الحجم؛ تسهيلا على الطالبين۔(۷۵)

تفسیر کا نام بھی اس کے سہل اور آسان ہونے کی ترجمانی کرتا ہے۔

## جامعیت اور اختصار

مقدمہ تفسیر ابن جزی کی سب سے اہم خاصیت اختصار اور جامعیت ہے ،یعنی صرف مختصر تحریر کرنے کی غرض سے مباحث کے اہم نکات کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ جامعیت کا انداز اپناتے ہوئے مباحث کا کلی احاطہ کیا گیا ہے۔مثال کے طور پر مقدمہ کا ساتواں باب ناسخ ومنسوخ کی بحث پر مشتمل ہے جس کی طوالت ایک صفحہ سے بھی زیادہ نہیں مگر اختصار کے ساتھ جامعیت کا یہ عالم ہے کہ اس میں نسخ کی لغوی تعریف،شرعی تعریف،منسوخ کے لحاظ سے نسخ کی اقسام ،اوراجمالی طور پر نسخ کے بارے میں متقدمین ومتاخرین کا نقطہ نظر بھی بیان کیا ہے اوراس کے ساتھ ساتھ آیتِ سیف سے منسوخ قرار دی جانے والی سو سے زیادہ آیات کا بھی ذکر شامل ہے۔دوسرے لفظوں میں ابن جزی کا اسلوب ایجاز واختصار کا حسین مرقع ہے۔

اختصار اور جامعیت کے پیش نظر آپ نے مفردات کی وضاحت پر مشتمل ایک الگ سے مقدمہ تحریر کیا ہے تا کہ دوران تفسیر جا بجا الفاظ کے معانی کی تفصیلات نقل کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

اسی طرح سے تفسیر کے دوران اگر کسی لفظ یا آیت سے متعلقہ تفصیلات پہلے نقل کر دی گئی ہوں تو دوبارہ اسکی وضاحت سے گریز کرتے ہیں۔مثلاً ’’بسم اللہ‘‘ کی نماز میں تلاوت کے حوالے سے مالکیہ کا نقطہ نظر لکھتے ہیں:

لايبسمل فى الصلاة عند مالك ...... فحجة مالك من وجهين: احدهما انه ليست عنده آية فى الفاتحه حسبماذ كرنا......(۷۶)

’’ذکرنا‘‘ میں آپ کا اشارہ گزشتہ تفصیلات کی طرف ہے جس میں آپ نے مالکی موقف ’’بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی آیت نہیں‘‘ کے مکمل دلائل نقل کیے ہیں۔مزید یہ کہ آپ طوالت سے بچنے کے لئے پوری آیت کے ہر لفظ کی وضاحت کی بجائے صرف تشریح طلب حصوں کی ہی تفسیر کا اہتمام کرتے ہیں۔

## صحیح روایات سے استدلال

تفسیر اور علوم القرآن کی اساس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات، افعال اور تقاریر ہیں۔ بلکہ علوم اسلامیہ میں کوئی بحث بھی مکمل نہیں ہو پاتی جب تک کہ اسے حدیث اور سنت مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین نہ کیا جائے۔

علامہ ابن جزی نے مقدمہ میں جا بجا احادیث و روایات کو نقل کیا ہے۔ البتہ آپ نے روایات کو نقل کرنے کا ایک اصول مقرر کیا کہ آپ استشہاد صرف صحیح روایات سے ہی کریں گے۔ آپ نے مقدمہ کے آخری باب میں قرآن کریم کے فضائل بیان کرنے کے لیے تیرہ روایات کو پیش کیا ہیں اور اس باب کے آغاز میں اپنے اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وانما نذکرمنه ما ورد فی الحدیث الصحیح (۷۷)

یعنی صحت کے اعتبار سے صرف صحیح روایات کو نقل کیا جائے گا ضعیف روایات سے استشہاد نہیں کیا جائے گا۔

## روایات کی تلخیص

ابن جزی نے چونکہ مباحث کے دوران اختصار کو مدنظر رکھا اس لیے بعض اوقات روایت کو مکمل نقل نہیں کرتے بلکہ اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کردیتے ہیں، جیسا کہ جمع و ترتیبِ قرآن کی بحث میں آپ صحیح بخاری اور ترمذی میں منقول تفصیلی روایات کا خلاصہ یوں لکھتے ہیں:

> فلماقتل جماعة من الصحابة یوم الیمامة فی قتال مسیلمة الکذاب اشار عمر بن الخطاب علی أبی بکر الصدیقؓ بجمع القرآن مخافة ان یذهب بموت القراء فجمعه فی صحف غیر مرتب السور وبقیت تلك الصحف عند أبی بکر ،ثم عند عمر بعده،ثم عند بنتة حفصة ام المومنین۔(۷۸)

یعنی آپ نے روایت میں بیان ہونے والی تفصیل کو اپنے الفاظ میں مختصراً تحریر کیا ہے۔

## کتب تفسیر وعلوم القرآن کا تذکرہ

علامہ ابن جزی نے اکثر مباحث میں اس فن کی اہم کتب کا ذکر کیا جیسے مقدمہ میں تفسیر کے موضوع پر لکھتے ہوئے متعلقہ کتب کے نام تحریر کرتے ہیں؛

> واما اهل المغرب والاندلس فصنف القاضی منذر بن سعید البلوطی کتاباً فی غریب القرآن و تفسیره ثم صنف المقری ابو محمد مکی بن ابی طالب کتاب الهدایة فی تفسیر القرآن وکتابا فی غریب القرآن و کتاباً فی ناسخ القرآن ومنسوخه۔ (۷۹)

بعض اوقات صرف مصنفین کا ذکر کرتے ہیں کتب کا نہیں مثلاً احکام القرآن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقد صنف الناس فی احکام القرآن تصانیف کثیرة ۔ومن أحسن تصانیف المشارکة فیها :تالیف اسماعیل القاضی وابن الحسن کباہ و من احسن تصانیف أهل الأندلس تالیف القاضی الامام أبی بکر بن العربی والقاضی الحافظ بن محمد بن عبد المنعم ابن عبدالرحیم المعروف بابن الفرس۔(۸۰)

متعلقہ موضوع کی تصنیفات کا ذکر کرنا علامہ ابن جزی کے علمی توسع و ذوق مطالعہ کو ظاہر کرتا ہے۔

## ترتیب سور کے بارے میں مؤقف

علامہ ابن جزی نے جمع وترتیب قرآن پر بحث کرتے ہوئے سورتوں کی ترتیب کے بارے میں جمہور سے ہٹ کر مؤقف اختیار کیا ہے۔جمہور آئمہ امت کا مؤقف ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور آیات کی ترتیب توقیفی ہے۔جبکہ علامہ ابن جزی آیات کی ترتیب کو توقیفی ہی کہتے ہیں مگر سورتوں کی ترتیب کو اجتہادی قرار دیتے ہیں:

فترتیب السور علی ماهوالآن من فعل عثمان و زید بن ثابت والذین کتبوا معه المصحف، وقد قیل انه من فعل رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وذلك ضعیف ترده الآثار الواردة فی ذلك۔(۸۱)

سورتوں کی موجودہ ترتیب حضرت عثمان غنی، زید بن ثابت اور ان کے ساتھ شریک کار دوسرے کاتبین مصحف کا کارنامہ ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی فعل ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے جس کی تردید اس میں وارد ہونے والے آثار کرتے ہیں۔

## راجح قول

مباحث کے دوران اگر کسی مسئلے میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں تو آپ ان کو نقل کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے سب سے پہلے نازل ہونے والی روایات کے بارے تین مختلف قول نقل کیے ہیں:

و أوّل ما نزل علیه من القرآن :صدر سورةالعلق،ثم المدثر والمزمل،وقیل أوّل ،ما نزل المدثر و قیل فاتحةالکتاب،(۸۲)

آپ صرف آراء نقل کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان میں سے راجح رائے کی نشاندہی بھی فرماتے ہیں لکھتے ہیں:

والأوّل هو الصحیح (۸۳)

یعنی سب سے اول علق پھر مدثر اور پھر مزمل نازل ہوئی۔

مفسر ابن جزی مختلف اقوال میں سے راجح قول کی نشاندہی کرتے ہیں اور پھر اس کے لیے دلیل بھی پیش کرتے ہیں مثلاً سب سے اول نازل ہونے والی سورہ ''سورہ علق'' کی آیات ہیں۔ اس قول کی دلیل کے لیے آپ نے سیدہ عائشہؓ سے مروی صحیح روایت نقل کی ہے، جس میں غارِ حرا میں آپ ﷺ پر نزولِ وحی کی کیفیت بیان ہوئی ہے کہ جبرائیلؑ تین دفعہ آپ ﷺ کو اقراء پڑھنے کا کہتے ہیں اور پھر اللہ کے حکم سے سورہ علق کی ابتدائی آیات آپ ﷺ پر نازل ہوتی ہیں۔ (۸۴)

مقدمہ تفسیر ابن جزی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ان اہم تفاسیر سے استفادہ کیا: الهدایه فی تفسیر القرآن از مکی بن ابی طالب، الکشاف عن حقائق التنزیل از محمود بن عمر زمخشری، تفسیر المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز از عبدالحق ابن عطیہ کی اور علوم القرآن میں ابوعمر و الدانی، ابن العربی، مکی بن ابی طالب اور منذر بن سعید جیسی فاضل شخصیات کی کتب بھی آپکے زیر مطالعہ رہیں جبکہ حدیث میں صحاح ستہ، موطا امام مالک اور دیگر مسانید سے استفادہ کیا۔

---

## حوالہ جات وحواشی


(۱) ابن خطیب، لسان الدین، احاطه فی اخبارِ غرناطه، بیروت، دارالکتب العلمیه ۱۹۴۲، ۳/ ۱۱، ۱۴؛ مقری، نفح الطیب، بیروت، دارالکتاب العربیه ۱۹۴۹، ۸/ ۵۸؛ زرکلی، الاعلام، بیروت، دارالعلم للملایین، ۱۹۹۷، ۵/ ۳۲۵؛ عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین، بیروت، داراحیاء التراث العربی، س۔ن، ۹/ ۱۱؛ ابن حجر، الدرالکامنه الریاض، قاہرہ، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر، ۱۹۳۹ء، ۳/ ۱۸۵

(۲) نباہی، علی بن عبداللہ، تاریخ قضاۃ الاندلس، بیروت، المکتبہ التجاری للطباعۃ والنشر والتواریخ، س۔ن، ص ۱۷۷

(۳) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن خطیب، احاطه، ۱/ ۱۸۸؛ ابن فرحون، دیباج المذهب، قاہرہ، دارالتراث للطبع والنشر، س۔ن ۱/ ۱۸۸؛ ابن جزی، کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، بیروت، داالکتاب العربی، س۔ن ۱/ ۱۰؛ ابن خطیب، الاحاطه، ۳/ ۱۳۵، ۱۴۳؛ ابن حجر، الدر الکامنه، ۲/ ۲۲۹؛ زرکلی، الاعلام ۶/ ۳۱۴؛ ابن خطیب، الاحاطه ۴/ ۲۵۹، ۲۶۲؛ زرکلی، الاعلام ۵/ ۱۷۷؛ ابن فرحون، دیباج الذهب ۲/ ۱۵۲؛ ابن خطیب، الاحاطه، ۳/ ۲۴۵؛ ابن حجر، الدرالکامنه ۳/ ۴۶۲،

(۴) مقری، نفح الطیب، ۸/ ۵۹،؛ زرکلی، الاعلام ۵/ ۳۲۵؛ اسماعیل بغدادی، ایضاح المکنون، بیروت، دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۲، ۳/ ۴۷، ۳۱۳، ۴۱/ ۲۰۷، ۲۴۴؛ ابن خطیب، الاحاطہ ۳/ ۱۲؛ ابن حجر، الدرر الکامنة، ۳/ ۳۵۶؛ کتانی، فهرس الفهارس، بیروت، دار القرب الاسلامی ۱۹۸۲ء، ۱/ ۳۰۶؛ داؤدی، طبقات المفسرین، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، ۱۹۷۲، ۲/ ۸۲

(۵) مقری، نفح الطیب، ۸: ۶۰؛ عمر رضا کحالہ، معجم مولفین، ۹/ ۱۱؛ زرکلی، الاعلام، ۵/ ۳۲۵؛ کتانی، فهرس الفهارس، ۱/ ۳۰۶؛ داؤدی، طبقات المفسرین، ۲/ ۸۳

(۶) ابن جزی، کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، بیروت، دارالکتاب العربی، س۔ن، ۱/ ۳

(۷) ایضاً، ۱/ ۲

(۸) یضاً ۱/ ۳

(۹) القدر ۹۷: ۱

(۱۰) بنی اسرئیل ۱۷: ۱۰۶

(۱۱) کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/ ۴

(۱۲) بخاری، کتاب الا یمان، باب بدء الوحی، (ح: ۳)؛ مسلم، کتاب الایمان، باب بد ء الوحی الی رسول الله ﷺ، (ح: ۲۵۲)؛ ابن جزی، کتاب التسهیل، ۱/ ۴

(۱۳) کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/ ۴

(۱۴) ایضاً، ۱/ ۴

(۱۵) ایضاً

(۱۶) زرقانی، محمد عبدالعظیم، مناهل العرفان، بیروت دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۸، ۱/ ۲۲۶

(۱۷) سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ریاض، مکتبہ المعارف، ۱۹۹۶ء، ۱/ ۱۷۹

(۱۸) کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/ ۴

(۱۹) ایضاً

(۲۰) ایضاً

(۲۱) ایضاً

(۲۲) ایضاً

(۲۳) ایضاً

(۲۴) ایضاً ۱/ ۵

(۲۵) ایضاً
(۲۶) ایضاً
(۲۷) ایضاً
(۲۸) ایضاً
(۲۹) ایضاً۱/۶
(۳۰) ایضاً
(۳۱) ایضاً۱/۶
(۳۲) ایضاً۱/۷
(۳۳) ایضاً۱/۷
(۳۴) ایضاً
(۳۵) ایضاً۱/۸
(۳۶) ایضاً
(۳۷) ایضاً
(۳۸) ایضاً۱/۹
(۳۹) ایضاً۱/۹
(۴۰) ایضاً۱/۹
(۴۱) ایضاً
(۴۲) ایضاً۱/۱۰
(۴۳) ایضاً
(۴۴) ایضاً
(۴۵) ابوعبید قاسم بن سلام، الناسخ و المنسوخ، مکتبۃ الرشید، س ن، ص۴۰؛ سیوطی، الاتقان، ۳/۶۶
(۴۶) الناسخ و المنسوخ، ص۴۸
(۴۷) کتاب التسھیل لعلوم التنزیل، ۱/۱۰
(۴۸) ایضاً
(۴۹) کتاب التسھیل العلوم التنزیل، ۱/۱۰؛ مسند احمد، ح ۳۱۰۸۶
(۵۰) کتاب التسھیل لعلوم التنزیل، ۱/۱۱

(۵۱) ایضاً

(۵۲) تھانوی ،اظہار احمد، قاری ،نجم الصبیح، تاریخ تجوید و قرأت، لاہور قرأت اکیڈمی ص،۱۱۳

(۵۳) نافع المدنی ،ابن کثیر المکی ،ابوعمر بن العلاء البصری ،ابن عامر الشامی ،عاصم ،ابن حمزہ والکسائی الکوفیین ) ابن جزی، کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/۱۱، تفصیل کے لئے دیکھیے ؛دمیاطی، احمد بن محمد البنا، اتحاف فضلاء البشر، قاہرہ، دارالحدیث ۲۰۰۹، ۱/۹۷؛ محمد فہد خاروف، المیسر فی القراء ت الاربع عشرہ، بیروت، دار ابن کثیر، ۲۰۰۶، ص:(س۔ش)؛ صابونی، محمد علی، التبیان فی علوم القرآن، مکتبہ الحقانیہ پاکستان، ۱۹۸۱ء، ص ۲۲۸۔۲۳۱

(۵۴) کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/۱۱

(۵۵) ایضاً

(۵۶) ایضاً ۱/۱۲

(۵۷) ایضاً

(۵۸) ایضاً

(۵۹) ابن منظور، لسان العرب، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۹۹، ۹:۳۵۹؛ ابراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط، طہران، المکتبہ العلمیہ ،س۔ن،ص: ۱۰۶۳؛ بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات، ملتان، دارالحدیث، ۱۹۵۰، ص ۹۱۱

(۶۰) ابن جزری، النشر فی القراء ات العشر، دارلکتب العلمیہ ، بیروت ۱۹۹۱، ۱/۲۴۰

(۶۱) محمد عبداللہ مہاجر مکی ،تعلیم الوقف، لاہور، مطبوعہ قراءت اکیڈمی، ص:۵۴

(۶۲) مزمل ۷۳:۴

(۶۳) کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/۱۲

(۶۴) ایضاً

(۶۵) ایضاً

(۶۶) ایضاً

(۶۷) ترمذی، کتاب التفسیر، باب فی فاتحہ الکتاب، (ح:۲۹۶۷)؛ کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/۱۲

(۶۸) ابراہیم مصطفیٰ، احمد حسن الزیات؛ المعجم الوسیط، ۱/ ۶۹۷

(۶۹) ابن منظور، لسان العرب، ۸:۴۲۰؛ ابراہیم مصطفیٰ، المعجم الوسیط، ۱/ ۶۹

(۷۰) کتاب التسهیل لعلوم التنزیل، ۱/۱۲

(۷۱) ایضاً،۱/۱۳

(۷۲) ایضاً

(۷۳) ایضاً

(۷۴) ملخص، کتاب التسہیل لعلوم التنزیل،۱/۱۴

(۷۵) کتاب التسہیل لعلوم التنزیل،۱/۳

(۷۶) ایضاً۱/۳۱

(۷۷) ایضاً،۱:۱۴

(۷۸) بخاری،کتاب التفسیر،باب قولہ لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز(ح:۴۶۷۹)؛ترمذی،ابواب تفسیر القرآن،باب من سورۃ التوبہ،(۳۱۰۳)

(۷۹) کتاب التسہیل لعلوم التنزیل ،۱/۱۰

(۸۰) ایضاً۱/۷

(۸۱) ایضاً،۱/۴

(۸۲) ایضاً

(۸۳) ایضاً

(۸۴) بخاری، کتاب الا یمان ، باب بدء الوحی،(ح:۳)؛کتاب التسہیل لعلوم التنزیل،۱/۳

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆